باب سوّم

مجروح کا بچپن، تعلیمی دور اور شاعری کا آغاز

مجروح سلطان پوری ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محکمۂ پولس سے وابستہ تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم سلطانپور ہی میں ہوئی۔ ان کے والد ان کو عالم دین بنانا چاہتے تھے اور حفظ کرانا چاہتے تھے اسی لئے انہوں نے مجروح کو ایک دینی درسگاہ میں شریک کیا تھا لیکن مجروح کی طبیعت میں لڑکپن سے ہی ایک باغیانہ پن تھا۔ وہاں کسی مولانا سے ان کی ہاتھا پائی ہوگئی اور اس جرم کی پاداش میں ان کو دینی درسگاہ سے خارج کر دیا گیا۔

پھر اس کے بعد مجروح نے عصری درسگاہ میں داخلہ لیا اور جب وہ آٹھویں نویں جماعت کے طالب علم تھے تب ہی سے انہوں نے تُک بندی کا آغاز کر دیا تھا۔ طب کی تعلیم دلانے کیلئے جب ان کو لکھنو کی طبیہ کالج میں داخلہ دلایا گیا تو وہ لکھنو میں فرنگی محل کی ادبی مجلسوں میں برابر شریک ہوا کرتے تھے۔ فرنگی محل میں اس زمانے میں لکھنو کے شعراء اور اہل کمال جمع ہوا کرتے تھے اور وہاں ادبی مباحث بھی ہوا کرتے تھے۔ مجروح کی ان ہی دلچسپیوں نے مجروح کو شاعر بنا دیا۔

ایک انٹرویو میں جب ہم نے مجروح سے پوچھا کہ انہوں نے باضابطہ شاعری کا آغاز کب کیا تو جواب میں مجروح نے کہا کہ مجھے کوئی صحیح تاریخ تو یاد نہیں لیکن قیام لکھنو کے دوران میں باضابطہ شاعری کرنے لگا تھا اور میں نے کچھ وقتی موضوعات پر نظمیں لکھیں تھیں جن کو بہت پسند بھی کیا گیا تھا۔ پھر کچھ صحابہ کی تعریف میں نظمیں لکھی تھیں۔ ان پر بڑا مذہبی رنگ چڑھا ہوا تھا اور ان میں بلا کی جذباتیت بھی تھی۔ نظموں میں جذباتی اظہار کرنے کی وجہ سے میں زمانۂ طالب علمی میں ہی سرکاری عتاب کا شکار ہوتے ہوتے بچا۔ اس کے بعد میں نے ایک دو غزلیں کہی تھیں جن کو سلطانپور کے مشاعروں میں میں نے پڑھا تھا اور ان غزلوں پر سلطانپور کے اس زمانے کے مشہور شاعر حضرت آسی جو میرے والد کے دوست تھے۔ ان سے میں نے اصلاح بھی لی تھی لیکن مجھے ان کی اصلاح کا انداز پسند نہیں آیا تھا اسلئے میں نے بعد میں اپنا کلام پھر کسی کو نہیں

بتیا۔طبیعت میں موزونیت تھی اسی موزونیت کے بل پر شعر کہتا رہا۔ میں نے اپنے ابتدائی عہد شاعری میں دو نظمیں لکھی تھیں ''گائے جا پپیہے گائے جا'' اور ''کیا جانے ہمیں کیا یاد آیا'' یہ نظمیں میں مشاعروں میں ترنم سے پڑھا کرتا تھا اور لوگ ان کو بہت پسند بھی کرتے تھے۔

مجروح سلطان پوری نے غزل کی کائنات میں جب قدم رکھا تب اس کائنات میں بڑی ہلچل برپا تھی۔ ایک طرف سے غزل پر قاتلانہ حملے ہو رہے تھے۔ مولانا الطاف حسین حالی، جوش ملیح آبادی، ظ۔انصاری اور ترقی پسند تحریک سے وابستہ شعراء کرام نے غزل کی مخالفت میں ایسا پروپیگنڈہ کر دیا تھا کہ اس پروپیگنڈے کا ہی اثر تھا جس کی وجہ سے مجروح سلطان پوری نے اپنی شاعری کا آغاز نظم نگاری سے کیا تھا۔ ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۷ء میں مجروح سلطان پوری نے شاعری کا آغاز کیا۔ اس وقت ان کی عمر بمشکل سولہ یا سترہ سال تھی۔ ہم پچھلے باب میں پڑھ چکے ہے کہ معروف شاعر خمار بارہ بنکی نے اپنے ایک مضمون میں یہ بات کہی کہ میں اور مجروح نے ۳۶ء اور ۳۷ء آس پاس ہی مشاعروں میں شرکت کا آغاز کیا تھا اس زمانہ میں مجروح سلطان پوری مشاعروں میں '' گائے جا پپیہے گائے جا'' اور ''کیا جانے ہمیں کیا یاد آیا'' یہ دو نظمیں بڑے والہانہ انداز اور بڑے دل نواز ترنم سے پڑھا کرتے تھے اور مشاعرے کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے مجروح نے شاعری اس سے دو تین سال قبل ہی شروع کی ہوگی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق مجروح نے شعر گوئی کا آغاز ۱۹۳۲ء سے کیا ہوگا مجروح ۱۹۱۹ء میں پیداء ہوئے اس احساب سے ان کی عمر بمشکل ۱۳ یا ۱۴ سال ہوگی۔ چونکہ انہوں نے اپنے انٹرویوز میں بار بار یہ بات کہی ہے کہ انہوں نے اپنے ابتدائی زمانۂ طالب علمی میں ہی سلطان پور کے معروف بزرگ شاعر حضرت آسی سے اپنی دو غزلوں پر اصلاح لی تھی۔ اور یہ بات خود ان کی لکھی ہوئی ہے کہ سلطان پور میں اس زمانہ میں ہر آٹھ دن کو ایک مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ اور مجروح نے ان مشاعروں میں غزلیں سنانی شروع کر دی تھیں۔ ۱۹۳۳ء کو وہ لکھنو آ گئے اور یہاں انہوں نے طبیہ کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ اس وقت مجروح کو شعر و شاعری کا چسکا لگا ہوا تھا۔

اس بات کا ذکر ان کے بچپن کے دوست حکیم ابن نے اپنے ایک مضمون میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

وہ فرنگی محل کی ادبی مجلسوں میں شریک ہونے باضابطہ جایا کرتے تھے۔اس وقت فرنگی محل میں لکھنو کے شعرائے اہل کمال جمع ہوتے تھے۔خوب شعروشاعری ہوتی تھی۔ادبی مباحث ہوتے تھے۔مجروح اس محفل کے اہم رکن بن چکے تھے۔اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مجروح نے باضابطہ شاعری کا آغاز ۱۹۳۲ء کردیا تھا۔اس سے قبل انہوں نے سلطان پور میں غزلیں لکھی تھیں اور ایک دو غزلوں پر حضرت آسی سے اصلاح بھی لی تھی۔مگر ان کو حضرت آسی کی اصلاح کا طریقہ پسند نہیں آیا تھا، کیونکہ حضرت آسی نے اصلاح کرنے کی بجائے چند اپنے خود کے اشعار غزل میں شامل کردیئے تھے۔مجروح کو ان کا عمل پسند نہیں آیا۔مجروح ایک فطری شاعر ہے ان کی طبیعت میں بالکل بچپن سے موزونیت موجود تھی، اس کو ہم پڑھ چکے ہیں۔اپنی طبیعت کی موزونیت کے بل پر ہی انہوں نے شعر گوئی کا آغاز کردیا اور نظم نگاری پر ابتداء میں توجہ دی۔مشاعروں کے وہ ایک کامیاب شاعر سمجھے جانے لگے۔ ۱۹۴۰ء تک تو ان کا نام مشاعروں کی کامیابی کی ضمانت بن چکا تھا۔چنانچہ اپنے علاقہ میں اپنی خوش الحانی اور شاعری کی انفرادیت کی وجہ سے پہچانے جانے لگے تھے۔ان کے مزاج اور افتادِ طبع کی اس خصوصیت نے جگر جیسے عظیم المرتبت غزل گو شاعر کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔چنانچہ جگر نے جب مشاعرے میں مجروح کو پہلی بار سنا تو اُن سے کہا کہ '' تم میں مجھے انفرادیت نظر آتی ہے، اس کو برقرار رکھو اور چند روز میرے ساتھ رہو۔[ص۱] '' چنانچہ مجروح، جگر کی تربیت سے بھی فیض یاب ہوئے۔انہوں نے چار ماہ جگر کے ساتھ گزارے خود ان کا یعنی مجروح کا کہنا ہے کہ انہوں نے جگر مرادآبادی سے بہت کچھ سیکھا۔مجروح نظمیں لکھتے تھے اور جگر غزل کے شاعر تھے۔مجروح کا کہنا ہے کہ چار ماہ کے دوران حضرت جگر نے ان کو کبھی غزل کہنے کا حکم نہیں دیا۔لیکن میری طبیعت نے جگر کی غزل گوئی سے کافی اثر قبول کیا۔اس طرح غیر محسوس طریقہ سے مجروح غزل کی طرف راغب ہوگئے اور بہت جلد انہوں نے نظم نگاری ترک کر دی اور غزل کہنے لگے۔پھر جگر کے کہنے پر ہی وہ پروفیسر حضرت رشید احمد صدیقی کے گھر رہنے لے لئے علی گڑھ چلے گئے۔وہاں چار سال تک ان کا قیام رہا۔اور یہیں پر مجروح کی ملاقات وقت کے اہم، قدآور اور نامور غزل گو شعراء

ص۱۔ ندیم صدیقی کو دیا گیا انٹرویو۔ (۶۷) مجروح نمبر جیراغ ممبئی صفحہ ۱۰۵

سے ہوئی، جیسے فانی بدایونی، اصغر گونڈوی، معین احسن جذبی، مجاز، جوش ملیح آبادی وغیرہ۔ یہ زمانہ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۴ء کے درمیان کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں اقلیم غزل کی کیا صورت تھی۔ کون کون سے رجحانات پروان چڑھ رہے تھے، کون کون سی تبدیلیاں شعر و ادب میں رونما ہو چکی تھیں اور کن کن شعراء نے میدان غزل میں قدم جما لئے تھے۔ کن کے اسلوب کا سکہ جاری تھا۔ اس کا مختصر سا جائزہ یہاں پیش ہے۔

غزل[1] کی مخالفت، ترقی پسند تحریک کے قیام کے اغراض و مقاصد پر ہم پچھلے باب میں بحث کر چکے ہیں۔ اور غزل کے عہد بہ عہد ارتقا میں یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ کس عہد میں کن غزل گو شعراء نے اپنی انفرادیت کو منوایا اور غزل کی تاریخ میں اپنا نام اور مقام درج کروانے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ یہاں اس تفصیل سے بچتے ہوئے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جب مجروح نے شاعری کا آغاز کیا تو اس وقت غزل کے آسمان پر کون کون جگمگا رہے تھے۔ اس سلسلے میں یہ بات یہاں بتا دینا ضروری ہے کہ اس وقت کی دنیائے شاعری پر علامہ اقبال کی شاعری کا راج تھا۔ بال جبریل، ضرب کلیم اور بانگ درا، رمغان حجاز، اسرار خودی، رموز بے خودی، ان مجموعوں نے دنیائے شاعری میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ علامہ اقبال نے مقصدی شاعری کی ایسی اعلیٰ مثال پیش کر دی تھی کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ بال جبریل میں علامہ اقبال نے غزلیں شامل کیں۔ یہ غزلیں ایک نیا انداز، نیا معنوی جہاں اور نئی فکری بلندیوں کی ترجمان تھیں۔ علامہ اقبال نے غزل کے لفظوں کے جہاں کو ہی بدل دیا۔ اس کی معنوی دنیا کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ غزل میں اسلام، فلسفہ، تصوف، تاریخ اور حرکت عمل پیدا کرنے والے موضوعات کو غزل میں بیان کرنے کا آغاز کیا۔ اقبال کی غزل کی جو انفرادی خصوصیات تھیں کے اردو داں طبقہ ان کی غزل کا عاشق ہو گیا۔ مولانا حالی نے غزل میں اخلاقی اور اصلاحی موضوعات کو یقیناً داخل کیا تھا۔ مگر ان موضوعات کی تعداد بہت کم تھی۔ علامہ اقبال نے تو قرآن حکیم کی تعلیمات، اسلام کی تعلیمات، شریعت کی تفصیلات اور اسلاف اسلام کی تاریخ کے واقعات غزل میں رنگ تغزل کو برقرار رکھتے ہوئے بیان کر دئے۔ اہل لکھنو نے بال جبریل کو وبال جبریل کہا، مگر اردو داں طبقہ نے اقبال کی اس غزل کو سر آنکھوں پر رکھا۔ ان کی غزل بے حد مقبول ہوئی علامہ اقبال کا انتقال ۱۹۳۸ء میں

---

[1] غزل اور عصر جدید۔ مجنوں گورکھپوری (۶۸) صفحہ ۱۴۲

ہوا۔ان کی شاعری کے سیلاب میں اُردو زبان کے کئی بڑے اہم اور صاحب طرز شعراء تنکے کی طرح بہہ گئے۔ جوش، یاس یگانہ، فانی، اکبرالہٰ آبادی، اصغر گونڈوی وغیرہ یقیناً بڑے قابل قدر شعراء تھے۔مگر اقبال کی بے حد مقبولیت نے ان شعراء کو چمکنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اصغر، فانی، وغیرہ تو خاموش رہے مگر یگانہ اور جوش نے اقبال کی شاعری پر سخت نکتہ چینی کی۔اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اقبال اردوداں طبقہ کے دلوں کے حکمراں بنے رہے۔ایک مولانا حسرت موہانی کی غزل کا چراغ روشن تھا جس کی لو مدھم تھی لیکن حسرت کی غزل اردوداں طبقہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا چکی تھی۔ یگانہ کی برگشتہ مزاجی یگانہ کو لے ڈوبی۔ یگانہ نے اپنے ہاتھوں اپنا قتل کیا۔ باغیانہ اور بے باکانہ لہجے کی غزل کی وہ بنیاد ڈال چکے تھے۔مگر ان کے مزاج کی گرمی نے ان کو معتوب ٹھہرایا اور بقول رشید احمد صدیقی انہوں نے اپنے آپ کو کاٹ کھایا۔

مجروح سلطان پوری شاعری کے ابتدائی دور میں اصغر گونڈوی، حسرت موہانی، جگر مرادآبادی، جوش ملیح آبادی سے بے حد متاثر تھے۔ یہ تمام شعراء میں جوش ملیح آبادی کو وہ سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ جوش شاعر انقلاب ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر شباب بھی تھے۔ مجروح نے اپنے شاعری کے بالکل ابتدائی دور میں جو رومانی نظمیں لکھی تھیں ان نظموں کو ڈاکٹر اعجاز حسین نے سننے کے بعد یہ کہا تھا، یہ جوان نظموں کا قد آور شاعر بن سکتا ہے۔حضرت معین احسن جذبی کا خود یہ کہنا ہے کہ مجروح بنیادی طور پر عشقیہ شاعری کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ بلند پایہ نظم نگار بن سکتے تھے۔لیکن انہوں نے اچانک نظم نگاری ترک کر دی۔ تقریباً یہی خیال خمار بارہ بنکی، وامق جونپوری، مجنوں گورکھپوری، وغیرہ کا بھی تھا۔ نظم نگاری کا ذوق جو مجروح کو اپنے ابتدائی عہد میں تھا۔ غالباً وہ جوش ملیح آبادی کے اثر کا نتیجہ تھا۔ وہ جوش سے بے حد متاثر تھے۔مگر ذہن رسا کے مالک تھے۔ان کو معلوم تھا کہ اس میدان میں جوش کے مرتبے تک پہنچنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے اور پھر دوسرے نظم نگار شعراء کا انجام وہ دیکھ رہے تھے۔ اقبال نے نظم کائنات کو ایک معراج عطا کر دی تھی۔ اس بلندی تک خود جوش ملیح آبادی نہیں پہنچ پائے تھے۔ گو جوش کے پاس لفظوں کا بے پناہ ذخیرہ ہے۔شعری روانی ہے، فنی مہارت ہے اور بلا کی روانی ہے باوجود ان صفات کے جوش اقبال کے مقابل میں بہت چھوٹے قد کے نظر آتے ہیں۔نظم نگاری میں اپنی انفرادیت کو منوانا جب

جوشؔ کے لئے ناممکن تھا تو مجروح اس میدان میں کہاں تک پاتے تھے۔ وہ بڑے ذہین انسان تھے۔ بہت جلد سمجھ گئے اور نظم نگاری سے انہوں نے توبہ کر لی اور غزل کے گیسو سنوارنے میں معروف ہو گئے۔ یہاں بھی انہوں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا اور نہ کوئی ایسا عمل کیا جس سے شاعری کی دنیا کے لوگوں کو تکلیف پہنچتی۔ وہ بڑی خاموشی سے غزل میں انفرادیت کی تلاش میں رہے اور بہت جلد اپنی انفرادیت کو منوا بھی لیا۔ مجروح کی غزل کا اگر بتدریج مطالعہ کریں تو پتہ چلتا کہ وہ کب کس سے متاثر تھے اور اس تاثر کی جھلک اُن کی غزلوں کے کن اشعار میں نظر آتی ہے۔ اس کا مختصر سا جائزہ یہاں پیش کیا جاتا ہے تا کہ مجروح کی غزل کے بتدریج ارتقائی عمل کا اندازہ قائم ہو سکے۔

مجروحؔ سلطان پوری کی شاعری کے ابتدائی دور پر کن اساتذہ غزل کا اثر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اس کی تفصیل بیان کرنے سے قبل یہاں ایک واقعہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ واقعہ مجروحؔ صاحب نے مجھے انٹرویو دیتے ہوئے سنایا تھا۔ اس واقعہ سے دو باتیں کھل کر ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر اچھا شاعر قدما کے اشعار کو اپنے انداز سے بیان کرنے کی شعوری کوشش کرتا ہے۔ قدماء نے ظاہر ہے انسانی جذبات اور احساسات کے تمام پہلوؤں کو اپنے اشعار میں اپنے اپنے ڈھنگ سے بیان کر دیا ہے۔ ولیؔ و میرؔ نے تقریباً تمام لطیف احساسات حسن و جمال کو اپنے اشعار میں بیان کر دیا ہے۔ دوسری بات یہ واضح ہوتی ہے کہ کسی قدیم استاد کے خیال کو اپنے شعر میں بیان کرنے کا فن بڑے تجربے اور بڑی کڑی محنت کے بعد شاعر کو نصیب ہوتا ہے۔ واقعہ جسے مجروح صاحب نے بیان کیا تھا، کچھ اس طرح ہے کہ جس زمانے میں مجروحؔ حضرت جگر مرادآبادیؔ کے گھر پر مقیم تھے۔ اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ صبح چھ بجے مجروحؔ صاحب اُٹھ کر کوئی غزل کہنے کی فکر میں تھے اور گنگنا رہے تھے۔ اچانک جگر صاحب ان کے کمرے کے سامنے سے ہو کر چلے گئے۔ پھر دوسری بار جگرؔ صاحب آئے، کمرے میں جھانکا اور پھر چلے گئے۔ ایسا دو چار بار ہوا بالآخر جگر صاحب مجروحؔ کے کمرے میں آئے اور کہنے لگے: میاں! صبح سے مکھیوں کی طرح بھن بھن لگا رکھی ہے۔ اس پر مجروحؔ نے ان سے کہا کہ جگر صاحب ایک شعر ہے۔ اس شعر کو میں اپنی غزل میں کہنا چاہتا ہوں۔ جگر صاحب نے مجروح سے کہا کہ اس خیال کو تم اپنے شعر میں کیوں کہنا چاہتے

ہو۔اس پر مجروح نے جگر کو جواب دیا کہ آپ حضرات بھی تو اساتذہ کے اشعار کو اپناتے ہیں۔ان کے مضامین کو دہراتے ہیں جگر صاحب نے مجروح کی یہ بات سن کر بڑی کام کی بات مجروح کو بتائی وہ بات یہ تھی کہ پہلے اپنا خود کا شعر کہہ لیجئے پھر دوسروں کے شعر کو کہنا پھر بعد میں دوسروں کے اشعار کو اپنانے کی کوشش کرنا۔ ..... پھر انہوں نے فرمایا۔میرا وعدہ ہے کہ یہ شعر تم کہو گے ضرور کہو گے ہوسکتا ہے قافیے اور ردیف دوسرے ہوں۔علامات دوسری ہوں اور وہ شعر آپ کا اپنا ہوگا۔مگر تب کہیں گے جب آپ ادھر سے گذرینگے۔اس طرح مجروحؔ سلطان پوری کی شعری تربیت جگر مرادآبادی نے کی۔ مجروح کا کہنا ہے کہ '' میں نے جگر صاحب کی یہ بات گرہ میں باندھ لی اور دوسروں کے اشعار کو شعوری طور پر اپنانے کی کوشش میں نے ترک کردی۔ '' باوجود اس کے مجروح نے اساتذہ کے اشعار بھی اپنے ڈھنگ سے کہے اور اپنے Style میں کہے۔

اس طرح مجروح کے ابتدائی عہدِ شاعری کو ہم دیکھتے ہیں کہ مجروح نے شروع ہی سے شاعری کے بارے میں ایک معتدل راستہ چن لیا تھا اور وہ بتدریج اس پر گامزن تھے اور نہایت سوچ سمجھ کر شاعری کے میدان میں وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ان کی اس احتیاط نے ہی ان کو اعتبار بخشا اور وقت کے اہم اکابرین نے ان کی اس انفرادی خصوصیت کو تسلیم کرنا شروع کیا۔